© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# نظرات

۲۸ رفروری کو ڈھاکہ میں "کل پاکستان ہسٹری کانفرنس" کے موقع پر جو ناگوار واقعہ پیش آیا وہ حد درجہ افسوسناک اور لائقِ شرم ہے اور ہر سمجھدار انسان کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ اگر لیل و نہار یہی رہے اور جمہوریت کے لفظ کا غلط استعمال اسی طرح ہوتا رہا تو آخر پورے ملک اور قوم کے حق میں اس کا انجام کیا ہوگا۔

واقعہ یہ ہے کہ کل پاکستان ہسٹری کانفرنس کا تیسرا اجلاس ۲۷، ۲۸ رفروری اور یکم مارچ کو ہونا قرار پایا تھا۔ اس قرارداد کے مطابق ۲۷ر کو کانفرنس کا پہلا جلسہ بڑے تزک و احتشام اور شان و شوکت کے ساتھ شروع ہوا۔ گورنر نے افتتاح کیا کانفرنس میں مقامی وزراء، عمالِ حکومت اور یونیورسٹیوں کے وائس چانسلرز اور ہندو پاکستان اور بعض دوسرے ملکوں کے مندوبین کے علاوہ پاکستان کے مرکزی کابینہ کے چند وزراء بھی شریک تھے۔ جو محض اس اجلاس میں شرکت کی غرض سے کراچی سے ڈھاکہ ایک ہزار میل کا سفر کر کے آئے تھے۔ کانفرنس کے پہلے اجلاس کے صدر مولانا سید سلیمان ندوی تھے جناب صدر نے اپنے فاضلانہ خطبہ میں ہندو پاکستان میں اسلامی ثقافت و تمدن کے آثار و نشانات پر گفتگو کے بعد بنگالی زبان کے تدریجی ارتقاء پر روشنی ڈالی اور اس سلسلہ میں زبان کے رسم الخط سے متعلق اپنا خیال ظاہر کرتے ہوئے فرمایا

"میرے خیال میں بنگالی مسلمانوں کو سارے ملک کے مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک ملت بننے کے لئے ضروری ہے کہ سارے پاکستان کا ایک ہی خط ہو اور وہ عربی رسم الخط نسخ ہے جس میں پشتو، سندھی اور پنجابی لکھی جاتی ہے اس کا ثمرہ یہ ہے کہ ان صوبائی زبانوں کے نہ جاننے والے عربی رسم الخط اور مشترک عربی و فارسی الفاظ کی بنا پر عبارت کا ماحصل مطلب بآسانی سمجھ لیتے ہیں اگر بنگال کے مسلمان بنگالی کا خط بدل لیں تو وہ سارے پاکستان کو ایک بنا سکتے ہیں اور قرآن کے لئے عربی رسم الخط اور زبان کے لئے بنگالی رسم خط سیکھنے میں بچے دوہری محنت سے بچ جائیں گے۔"

---

سولہ صفحے کے خطبۂ صدارت میں رسم خط سے متعلق مشورہ کے صرف یہی دو چار جملے تھے اور



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



وہ بھی سنجیدہ اور متین انداز میں خلوص اور ہمدردی کے ساتھ! لیکن نونہالانِ قوم کو یہ بھی گوارا نہ ہوئے چنانچہ اگلے دن یعنی ۲۸ رفروری کو جب کہ کانفرنس کا دوسرا اجلاس شروع ہی ہوا تھا اور جس میں معزز و موقر مہمانوں اور نمائندوں کے علاوہ مرکز اور صوبہ کے وزراء اور یونیورسٹیوں کے ذمہ دار عمال و ارباب مناصب شریک تھے طلباء کی ایک کثیر تعداد مولانا سید سلیمان ندوی کے خلاف خصوصاً اور دوسرے قسم کے عموماً نعرے لگاتی ہوئی ہال میں گھس آئی اور یہاں بھی نعرے لگانے شروع کر دیئے، ڈھاکہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر نے جو صدر مجلس استقبالیہ بھی تھے۔ طلبا کو ہر چند سمجھایا۔ مگر جب کوئی اثر نہ ہوا اور صورتِ حال پر قابو نہ پایا جاسکا تو اجلاس ملتوی کر دیا گیا طلبا نے اس پر بھی قناعت نہ کی۔ بلکہ جب سید صاحب موٹر پر بیٹھ کر اپنی قیام گاہ جانے لگے تو مظاہرین نے موٹر روک لی اور آخر جب موصوف نے ان کے منشا کے مطابق انھیں کے لکھے ہوئے ایک بیان پر مجبوراً دستخط کر کے رسم خط سے متعلق اپنا مشورہ واپس لے لیا تو اب گلو خلاصی ہوئی اور ان کو وہاں سے روانہ ہو جانے کی اجازت ملی۔ اس واقعہ کا یہ اثر ہوا کہ اجلاس قرار داد کے مطابق تین دن ہونے والا تھا۔ مگر وہ ایک ہی دن ہو کر رہ گیا اور باقی دو روز کی نشست نہ ہوسکی۔

اگرچہ ہمارے نزدیک مولانا کا مشورہ صحیح نہیں ہے اور جس بنا پر ہم ہندوستان میں اردو کے لئے دیوناگری رسم خط کو اختیار کر لینے کے حامی نہیں ہیں ٹھیک اسی بنیاد پر ہم اس کو درست نہیں سمجھتے کہ وحدتِ ملت کے نام پر مشرقی بنگال کے مسلمانوں کو اس کی دعوت دی جائے کہ وہ اپنی زبان کے لئے عربی یا کوئی اور رسم خط اختیار کریں وہاں وحدتِ ملت کے نام پر اور یہاں متحدہ قومیت کی بنیاد پر آخر یہ کیوں ضروری ہے کہ مقامی، معاشرتی و سماجی اور لسانی امتیازات و خصوصیات کو ہی خیرآباد کہہ دیا جائے، علاوہ بریں مولانا کو یہ بھی سوچنا چاہیے تھا کہ وہ تاریخ کانفرنس میں خطبہ پڑھ رہے تھے نہ کہ اسلامیات یا لسانیات کی کسی انجمن میں پھر کیا ضروری تھا کہ خواہ مخواہ ایک ایسے مسئلے کا ذکر کیا جاتا جس کی نسبت مشرقی بنگال کے جذبات و احساسات کا انھیں اچھی طرح علم نہ ہوگا، کوئی بات خواہ کسی ہی حق ہو اور کیسے ہی خلوص و صداقت پر مبنی ہو لیکن اگر اس کو بے موقع کہا جائے اور جو کہنے کا طریقہ ہے اس طریقہ پر اس کو نہ کہا جائے تو اس کا اثر بجائے مفید ہونے کے مضر ہی ہوتا ہے، وحدت محض ادھر ادھر کی دو چار باتیں کہہ دینے سے پیدا نہیں ہوسکتی اس



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



کے لئے اصولاً ضروری یہ ہے کہ پہلے اسلامی اجتماعیت کا یقینِ محکم پیدا کیجئے جب یہ یقین پیدا ہو جائے گا تو مقامی امتیازات و خصوصیات کے اختلاف کے باوجود پوری قوم وحدتِ ملی کے رشتہ سے خود بخود منسلک ہو جائے گی تاہم نوجوانانِ قوم کو یہ سمجھنا چاہئے تھا کہ مولانا نے جو کچھ فرمایا تھا وہ ایک شخص کی خواہ وہ ملک کی کیسی ہی مقتدر ہستی ہو اپنی ذاتی رائے تھی وہ نہ حکومت کا کوئی آرڈیننس تھا اور نہ اسمبلی یا کونسل کا فیصلہ! پھر مولانا جو ہند و پاک دونوں ملکوں کے نامور عالم اور بزرگ ہیں اس وقت مشرقی بنگال کے مہمان بھی تھے اس بناء پر شرافت اور انسانیت کا تقاضا تھا کہ اگر انہیں مولانا کی کوئی ایک بات ناگوار بھی ہوئی تھی تو اس پر صبر کرتے اور اگر ضرورت ہوتی تو سنجیدگی کے ساتھ مولانا سے اس پر تبادلہ خیالات و مذاکرہ کرتے، جمہوری ملکوں کا قاعدہ یہ ہے کہ عوام اپنی مرضی سے اور اپنی صوابدید کے مطابق اسمبلیوں اور کونسلوں کے لئے اپنے نمائندے منتخب کرتے ہیں حکومت اسمبلی کے سامنے جوابدہ ہوتی ہے عوام قانون کو کبھی اپنے ہاتھ میں نہیں لیتے۔ انھیں اپنے نمائندوں پر پورا اعتماد ہوتا ہے۔ انھیں حکومت سے جو مطالبہ کرنا ہوتا ہے وہ اپنے نمائندوں کے ذریعہ کرتے ہیں یورپ اور امریکہ جو آج کل کی رائج الوقت جمہوریت میں ساری دنیا کے استاد اور معلم اول ہیں ان سے سبق لینا چاہئیے کہ وہاں آئے دن کتنے اہم اور نازک معاملات و مسائل پیش آتے رہتے ہیں مگر کبھی آپ نے اخبارات میں پڑھا کہ فلاں یونیورسٹی کے طلباء نے اسٹرائک کر دی، پولیس سے الجھ پڑے، وائس چانسلر کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ اور جلسے جلوس کے ذریعہ مظاہرے کئے ہند اور پاکستان دونوں ملکوں کے نوجوان طلباء کو جو اپنی قوم کے مستقبل کے معمار ہیں اس حقیقت کو کبھی فراموش نہ کرنا چاہئیے کہ جہاں کسی بزرگ قوم کی کوئی بات ناگوار ہوئی اور اس کے خلاف جبر و تشدد کا مظاہرہ شروع کر دیا اس کا نام ہرگز جمہوریت نہیں ہے بلکہ یہ نہایت شدید قسم کی قومی خودکشی ہے، جس کا انجام تباہی و بربادی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا جمہوریت میں ہر شخص کو اظہارِ خیال کی آزادی یقیناً حاصل ہوتی ہے۔ لیکن یہ آزادی کسی خاص ایک گروہ یا فرقہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتی اور اگر آپ دوسروں کی اس آزادی کا احترام نہیں کرتے تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ دوسرے بھی آپ کی آزادی کا احترام نہیں کریں گے نتیجہ باہمی تصادم اور تزاحم ہوگا اور اس میں کسی ایک کا بھی بھلا نہیں ہوگا!

© rasailojaraid.com